

سائنٹفک طریقہ پر بحث اور مفصل تحریروں اور ان کی اشاعت کی ضرورت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ موضوع بھی سوچ سے زیادہ روشن، بدیہی اور اسلام کا تاریخ کا واضح باب ہے، مگر پروپیگنڈہ کی یلغار میں چوینٹی کی رفتار کی نہیں بلکہ بڑی بیباکی، جرات اور حوصلہ و عزم کے ساتھ پُر وقار گفتار، مستحکم کردار اور مثبت و مؤثر رفتار کی ضرورت ہے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسان کو جان و مال اور آبرو سے متعلق جتنے حقوق بھی اسلام نے دیئے ہیں نہ صرف یہ کہ قدیم عصرِ حجری اور زمانہ جاہلیت کی رسوبات نے عطا نہیں کیے بلکہ اہل کتاب کی قانونی تشریحات اور روغنِ قانون ترقی نے بھی حتیٰ کہ آج تک امریکن منشورِ آزادی، فرانسیسی منشورِ حریت اور اقوام متحدہ کے منشورِ حقوقِ انسانی نے بھی نہیں بخشے اور جو کچھ بخشے بھی، وہ پہلی بات تو یہ کہ اسلام کے سینکڑوں سال کے بعد اور دوسری تلخ بات یہ کہ وہ صرف کاغذ پر خوشنما پھول کی طرح سجے ہوئے ہیں۔ مظلوم قوموں اور محروم افراد نے ان سے کوئی انصاف نہیں پایا۔ بلکہ ان کے لیے وہ خاربِ کرخلش کا باعث ہیں اور تیسری بات یہ کہ آزادی کے نام پر الحاد، بے حیائی، آوارگی، قومی، لسانی، جنسی اور لُغوی تعصب پھیلا یا گیا۔

اس موضوع پر علمی اور تقابلی انداز میں بہت اچھی اور مفید بحثیں اور ٹھوس علمی اور تاریخی حقائق سامنے لائے جاسکتے ہیں اور یہ بتایا جاسکتا ہے کہ اسلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے پہلے دن سے آزادی کے حدود متعین کیے ہیں تاکہ ایک شخص کی آزادی سے کسی دوسرے شخص یا قوم کا نقصان نہ ہو۔ اسی طرح خدا اور اس کے احکام سے بغاوت کی آزادی نہیں۔ اس کے بعد نفس کی نثراتوں، حکام کے ظلم و ستم اور شیطان کے فریبوں سے آزادی کی مکمل دعوت اسلام کے حیات بخش پیغام میں سموئی ہوئی ہے، اور اسلام نے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی وہ آزادانہ حقوق اور حریات عطا کی ہیں جن کی نظیر تاریخِ قدیم و جدید میں نہیں ملتی۔

شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی قواعد اور اصول

تیسرا اہم موضوع شریعتِ اسلامیہ کے بنیادی قواعد اور اصول ہیں۔ لاریب یہ موضوع مواد اور معلومات کے اعتبار سے سہل اور اپنے حقائق کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر بدیہی ہے۔ مگر عامۃً اُس لیے، سوسائٹی کے ذمہ دار افراد اور لکھے پڑھے طبقے بالخصوص قومی باگ ڈور کے منصب پر فائز افراد تک پہنچانے، انہیں سمجھانے اور ان کے دل میں مؤثر طریقے سے اس کے بٹھانے کی ضرورت ہے۔ اس میں کتاب و سنت اجماع اور قیاس و اجتہاد سے متعلق تفصیل سے ٹھوس حقائق اور مباحث سامنے لائے جاسکتے ہیں۔ اور یہ بات مؤثر طریقے سے پیش کی جاسکتی ہے کہ فقہِ اسلامی کی عظیم میراث اپنے اندر ایسی قانونی صلاحیت رکھتی ہے کہ ہر زمانے میں پیدا

ہونے والے مسائل کا حل اس کی روشنی میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اور قیاس و اجتہاد کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ اصولِ شریعت کے خلاف نہ ہوں اور کسی بنیادی اصول سے نہ ٹکراتے ہوں اور اسلامی روح یعنی کتاب و سنت سے معارض نہ ہوں کہ یہی حق جاننے کا معیار و میزان ہے، اور کسی ایسی چیز میں قیاس و اجتہاد کی اجازت ہی نہیں جس میں نص یعنی کتاب و سنت کی دلیل یا اجماع موجود ہو۔

مصلحت اور عرفِ عام

چوتھا موضوع ”شریعتِ اسلامیہ میں مصلحت و عرفِ عام“ کے مقام اور اس کی اہمیت و ضرورت اور شرعی نقطہ نظر سے اس کی حیثیت اور بین الاقوامی قوانین میں اس کے مروجہ تعامل کو خصوصی اہمیت کے ساتھ اُجاگر کرتا ہے۔ اگر اسلامی قوانین اور فقہی احکام میں قدرے تاثر کیا جائے تو اس موضوع کی انتہائی اہمیت مزید سامنے آجاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام کو قیامت تک انسانی زندگی کا ساتھ دینا ہے، اور تمام اقوامِ عالم اس کے زیرِ سایہ آئے اور آئندہ بھی آتے رہیں گے۔ اس لیے قرآن و حدیث اور تعاملِ صحابہ میں مصلحت اور عرفِ عام کو بڑی اہمیت دی گئی۔

اسی طرح تمام وہ رائج الوقت چیزیں جن میں کتاب و سنت یا اجماع نہیں ہے یعنی وہ شرعی طور پر ممنوع نہیں ہیں یا ان کے کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، ان میں امت کی عام مصلحت، فائدہ اور عرفِ صحیح پر عمل کیا جائے گا۔ ایک زندہ اور پائندہ شریعت کے لیے یہ ضروری چیز ہے۔ لیکن اس مصلحت، عرف اور آگے چل کر اجتہاد کے نام پر اسلامیات کے نام نہاد یورپین اور مسیحی اسکالر (مستشرقین) اور ان کے مشرقی اسلام کے نام لیوا گروہوں نے بی بات عام کرنے کی پوری کوششیں شروع کر دی ہیں کہ اسلام مصلحت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اس لیے اب عرب کا بدویانہ عرف ساری دنیا کے لیے کیونکر موزوں ہو سکتا ہے اور دوسری بات یہ کہ سینکڑوں برس بعد اب وہ کیسے قابلِ عمل رہ سکتا ہے؟ اس لیے اب عصرِ حاضر کے سائے ترقی یافتہ پیمانے ہی قابلِ قبول ہونے چاہئیں۔ مثال کے طور پر اُس زمانہ میں سود کار و اج غلط سمجھا جاتا تھا، اب جدید تمدن کا عرف یہ ہے کہ سود بہت بڑی تجارتی فائدہ کی چیز ہے، اس لیے اب اس کو بدل دینا چاہیے۔ یا فلاں آوارگی، حرام کاری اور حرام خوری عام ہو چکی ہے یا فلاں شرعی قانون یا فلاں چیز اب زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتی اس لیے اس میں ترمیم و تبدیلی کر لینی چاہیے۔ ہر حال اس قسم کی لاطائل باتوں اور حقیقتاً اصولِ شریعت و عقل کی ابتداء سے بھی جہالت و ناواقفیت آشکارا کرنے والی شریعت کی مخالف اور اسلام بیزا لیکن بظاہر علمی و استدلالی اندازِ شریعت کی محبت اور اسلام دوستی کا دم بھرنے والی اباحت کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے کہ غیر شرعی قوانین شرعی ہیں اور

غیر اسلامی اقدار خالص اسلامی چیزیں ہیں، اور انسانی اوامر خدا کے احکام ہیں۔۔۔ حالانکہ اس سلسلے میں پہلی، اصولی اور آخری بات، جسے فقہ کا ہر طالب علم جانتا ہے اور یہ حضرات بھی ابھی طرح جانتے ہیں لیکن سادہ لوح علم دین اور اصول فقہ سے ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پھیلانے کے منظم منصوبے اور سازش کے ماتحت اس ابتدائی اور اصولی مسلم الثبوت، بدیہی اور دین میں معلوم بالضرورت قاعدہ سے نظر پوشی و اغماض کرتے ہیں۔ وہ اصول یہ ہے کہ مصلحت اور عرف پر اسی صورت میں عمل کیا جائے گا یا اجتہاد کی نوبت اُس وقت آئے گی جب اس معاملہ میں کتاب و سنت کا کوئی قطعی حکم موجود نہ ہو، پھر وہاں بھی اجتہاد ان مسائل پر قیاس کے ساتھ ہوگا جن میں نقص موجود ہو اور وہ روح شریعت اور شرعی اصولوں اور تقاضوں کے ماتحت ہوگا۔ عرف و مصلحت کا حال بھی یہی ہے کہ عبادات و احکام میں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ زندگی کے عام معاملات اور اجتماعی چیزوں میں جہاں مسلمانوں کو شارع نے آزاد چھوڑا ہے اور کسی قسم کا حکم یا ممانعت نہیں کی ہے وہاں وہ ایسے صالح عرف یا مصلحت پر عمل کر سکتا، جو اسلام کے کلی اصولوں، شریعت کے تقاضوں اور دین کی روح کے منافی نہ ہوں۔ جیسے کھانے پینے کے حلال طریقے، لباس وغیرہ کی متنوع شکلیں جو ساتر ہوں اور خصوصیت کے ساتھ غیر مسلم قوموں کا مذہبی شعار نہ ہوں۔ اسلحہ کے نئے استعمال، زراعت و صنعت کے جدید وسائل اور دنیاوی استعمال کی ہیشمار چیزیں۔ لیکن یہ بات شرعاً ہی نہیں بلکہ عقلاً بھی سمجھ میں نہیں آسکتی کہ مصلحت، عرف یا اجتہاد کے نام پر کوئی مسلمان سود، زنا، سُور، شراب، والدین کی نافرمانی، قتل نفس، چوری اور متفرق دوسرے محرمات کو امریکہ و یورپ کے عرف عام پر قیاس کر کے حلال کرنے کی کوشش کرے یا بالکل اسی طرح عرف اسلامی میں اور نص قرآنی و نبوی میں منصوص طیباً جیسے شادی، طلاق، میراث، اکل حلال، نظام زکوٰۃ، توحید باری تعالیٰ وغیرہ جیسی اسلام کی قابل فخر خوبیوں کو اپنی یورپ سے مرعوب و مسحور عقل سے کیے ہوئے اجتہاد اور غیر قوموں کے اعمال پر قیاس کر کے حرام ثابت کرنے کی راہیں تلاش کرے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دن کی روشنی میں چراغ کی نو سے اپنی راہ تلاش کرنے کی سعی حاصل میں گرفتار ہو۔

بہر حال اس موضوع پر تفصیلی بحث اور واضح حقائق کو مزید آجا کر کرنے کی ضرورت ہے۔ تعریفوں کی توضیح اور اقسام کا بیان ضروری ہے اور یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ کتاب و سنت یا شریعت کی روح کے معارض کسی مصلحت یا عرف کو بھی اسلامی معاشرہ میں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن صحیح عرف اور مصلحت کا صحیح استعمال اسلامی طرز پر جب کیا گیا تو مسلمانوں نے اقوام عالم کی خوبیوں اور علوم کو اپنانے میں کوئی دریغ نہیں کیا، البتہ مصلحت یا عرف کے نام پر اقوام عالم کی گندگیاں، آزادیان، مشفقین، شہوت رانیاں، غیر شرعی چیزیں اور حرام طریقہائے زندگی ہرگز نہیں اپنائے جاسکتے۔

مروجہ قوانین میں اسلامی اقدار کی بالادستی اور تحفظ

پانچواں اہم آئٹم ملک کے مروجہ قوانین میں اسلامی اقدار کے تحفظ اور بالادستی کے لیے ٹھوس اور مستحکم بنیادوں پر کام کرنا ہے اگرچہ ملک کے مروجہ قوانین میں بھی بہت سی ایسی دفعات ہیں جو شریعت کی مخالفت نہیں کرتیں لیکن بعض اہم نکات پاکستان بلکہ اکثر اسلامی ملکوں کے قوانین میں موجود ہیں جو شریعت کی روح، خدا کے حکم اور اسلام کے سراسر مخالف ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سارے قوانین انگریزی، فرانسیسی اور جرمن قوانین سے ماخوذ ہیں جو سامراجی دورِ ظلمت میں مسلم ملکوں پر لا دیئے گئے تھے۔

مثال کے طور پر سود، کھیل گود میں جوا، لٹری اور موجودہ اصولوں کے ساتھ انشورنس (بعض اسلامی ممالک میں زنا کا قانوناً غیر شادی کے لیے کوئی جرم نہ ہونا، باہمی رضامندی کے ساتھ اس کا جرم نہ ہونا اور صرف زنا بالجبر کا جرم ہونا، اور اس پر شرعی سزا نہیں ہے بلکہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں اگر میاں بیوی معاف کر دیں تو مقدمہ واپس ہو سکتا ہے) یہ سب مغربی انحطاط اخلاقی سے متاثر قوانین کی عکاسی ہے، اسی طرح بعض ملکوں میں قتلِ عمد کی صورت میں قصاص نہیں ہے۔

بہر حال یہ بحث تفصیل طلب اور ہر لحاظ سے توضیح و تفہیم کی متقاضی ہے اور یہی کرنے کا کام ہے۔ میں یہاں صرف ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں شاید فائدہ سے خالی نہ ہو۔ وہ یہ کہ اسلام نے مغربی قوانین کے مخالف کیسا عادلانہ فیصلہ کیا ہے کہ قتل کی صورت میں معافی کا حق حکومت کو نہیں دیا بلکہ وَلِیُّ الدَّمِّ کو دیا ہے۔ اس لیے کہ یا تو اس طرح دل کا غبار اور غصہ عادلانہ قصاص کے ذریعہ ختم ہو جائے گا یا دیت کی شکل میں اور معافی کی صورت میں کہ اسلام نے اس پر ابھارا بھی ہے۔ محبت اور اخوت کی فضا پھر قائم ہو جائے گی لیکن اس کے برخلاف زنا جیسے اخلاقی جرم کی معافی کا حق ثبوت قطعی اور شروط کے پورا ہو جانے کی صورت میں۔ اور شروط اور شہادت کے اصول اتنے سخت ہیں کہ ان کا پورا ہونا بہت مشکل ہے۔ نہ حکومت کو دیا گیا اور نہ شوہر اور بیوی میں سے کسی کو، کیونکہ یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں اور ان میں معافی تلافی کی صورت میں اخلاقی عام ہوگی۔ زوجیت کے مقدس اور مخلصانہ وقا کے آئینہ صافی پر بال پڑ جائے گا۔ آبرو باختگی اور جیاسوزی کا دور دورہ ہو جائے گا۔ سوسائٹی میں سکون و اطمینان کے بجائے قلق، پریشانی، ندامت اور ذہنی خلیان بڑھ جائے گا اور شکوک و شبہات کا یہ طریق عمل آگے چل کر نفرت و حقارت کے علاوہ انتقام و غیرت کی خاطر قتل و خون کا غیر قانونی دروازہ بھی کھول دے گا۔

بہر حال اخلاق، آبرو، عصمت اور حیاء کا درجہ مغربی تہذیب اور قانون میں نہ صرف یہ کم جانی حقوق سے

کم ہے بلکہ طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ مال سے بھی کم ہے کیونکہ بعض ملکوں میں لڑکی اپنے مالی و تجارتی حقوق — جو اس نے بڑی جدوجہد کے بعد کچھ حاصل کیے ہیں — ان کا استعمال آزادی کے ساتھ ۲۱ سال کے بعد کر سکتی ہے لیکن جنسی حقوق کا ناجائز استعمال پوری آزادی بلکہ بے حیائی اور بے شرمی کے ساتھ ۱۸ سال کی عمر ہی سے قانوناً شروع کر سکتی ہے۔ اور قانونی عمر سے بہت پہلے سوسائٹی میں عام جنسی آوارگی اور آبرو باختگی کا اندازہ تو ہم مشرقی اور مسلمان ذہن لگا ہی نہیں سکتے — اور یہی وہ اخلاقی ”خوبیاں“ اور تمدن کے ”تحفے“ ہیں جنہیں ترقی کے نام پر مسلمانوں کے مغربی اور سبھی دانا دشمنوں کی سازشوں اور لیٹمانہ کوششوں سے فریب خوردہ مشرقی مسلمان نادان دوست اسلامی معاشرہ میں طرح طرح کے نام بدل کر پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے عفت، حیا، پاکدامنی، ہمدردی، غمخواری اور کم آزاری کی تعلیم دی ہے جبکہ مغربی تہذیب نے جُور و قمار بازی، آزادی و بے حیائی اور رنج و آزار دیا ہے۔

صلہ فرنگ سے آیا ہے سو ریا کے لیے
مے و قمار و، بھوم زنا سے بازار سے

اسلام میں بین الاقوامی تعلقات

ایک اہم موضوع ”اسلام میں بین الاقوامی تعلقات“ اسلامی ملکوں اور غیر اسلامی ملکوں کے ساتھ غایت درجہ قابل توجہ ہے اور یہ بات بڑی جرأت، وضاحت اور نکھار کر دنیا کے سامنے لانی چاہیے کہ اسلام نے اس سلسلے میں بھی ایسے کلی اصول عطا کیے ہیں جن کی روشنی میں بین الاقوامی تعلقات قائم کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ آج یورپ و امریکہ میں بھی اس موضوع پر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کو امامت کا درجہ عطا کیا جا رہا ہے اور ان کے نام سے بین الاقوامی سوسائٹیاں بن رہی ہیں۔

اس موضوع میں جدید حالات اور زبان و ادب کو ملحوظ رکھ کر تفصیلی طور پر دارالاسلام، دارالحرب، دارالمعاہدہ اور دارالموادعہ وغیرہ کی اسلامی اصطلاحوں پر بحث کرنی چاہیے اور مضبوط و مستحکم اور ٹھوس دلائل سے یہ بات سامنے لانے کی ضرورت ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا ہے بلکہ یہ حقیقت ہے اور اب موجودہ دور میں اس کے اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے کہ اسلام اپنی فطرت بشریہ کے موافق قوانین اور منصفانہ اصولوں، انسانی کرامت کے احترام اور بے شمار خوبیوں کی وجہ سے پھیلا ہے۔ تلوار کا استعمال شریعت کی حفاظت، جان و مال کی حفاظت، اسلامی زمین اور آبرو کی حفاظت کے لیے کیا گیا اور ہمیشہ تلوار، توپ اور بم کا استعمال ضروری ہے۔ جہاد اسلام کا شعار اور فرض ہے کیونکہ ایسی ابلیس برترست طاقتیں ہمیشہ دنیا میں موجود رہتی ہیں جو طاقت کے سوا کسی دوسری چیز سے

ہوش میں نہیں آتیں۔ اور اسلامی ممالک میں سامراجی طاقتوں کا داخل ہونا اور حصہ دراز تک قابض رہنا اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ جب قوت کمزور ہوتی ہے تو اسلام دشمن عناصر غلبہ باطل کے منصوبے بناتے ہیں۔

اور یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ آج دنیا کی ساری حکومتیں جنگی تیاریوں اور اسلحہ پر بے دریغ پیسہ خرچ کرتی ہیں اور وزارت جنگ کا نام ڈیفنس یا دفاع کی وزارت رکھتی ہیں اور ان کی اس وزارت پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ بلکہ راقم ایک نیا استنتاج پیش کرتا ہے۔ وہ یہ کہ آج ترقی یافتہ قومیں جبری ٹریننگ تمام بالغین کے لیے مقرر کرتی ہیں اور اس سے انکار کرنے والوں کو سزا بھی دی جاتی ہے، لیکن اگر اسلام جہاد کو فرض قرار دیتا ہے اور یہ ایسا جامع لفظ ہے جو جنگ اور ڈیفنس دونوں سے زیادہ اہم معنی اپنے اندر رکھتا ہے اور تقویٰ و اخلاق اور مجاہدہ کا منظر بھی ہے اور یورپ سے تیرہ سو سال قبل ہر مسلمان پر اس نے فوجی ٹریننگ لازمی قرار دی ہے تاکہ وہ اپنے عقیدہ، آبرو اور حدود کی حفاظت اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلے میں کر سکیں تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ یہ تماشا جہالت و تعصب، تنگ نظری اور واضح طور پر اسلام سے حسد و بغض و نفرت کا منظر نہیں تو اور کیا ہے؟ — وہی عمل جسے دنیا کی ساری قومیں ہمیشہ کرتی ہیں، اسلام بھی اگر اسے زیادہ منظم، اخلاقی اور محتاط طریقے پر کرے تو اسلام دشمنوں کے باشعور ضمیر فوراً چونک پڑتے ہیں۔ اور یہی وہ باشعور اور بیدار ضمیر ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی (نمود یا اللہ) خدا کی طرف سے ایسے سخت احکام صادر کرائے ہیں جن کی رو سے جنگ میں شریک ہوتے والے اور نہ ہونے والے، غیر مسلح شہری بلکہ پُر امن اور دشمنی نہ ظاہر کرنے والی دوسری قومیں تک سب کی سب تلوار سے قتل کی جاتی ہیں اور بچوں، بوڑھوں اور عورتوں سمیت شہر تک جلائیے جاتے ہیں اگر ان میں عبادت باطلہ جاری ہو جائے۔ (استنصار ۱۲: ۱۳-۱۸، ۲۰: ۱۰-۱۸)

تاریخی تفصیل کا یہ موقع نہیں — بہر حال یہ زندہ ضمیر لوگ شارلمان کی اسی نسل سے ہیں جس نے سکیسونی، بوہمی اور متعدد یورپین وٹنی قوموں کو تلوار کے زور سے مسیحیت میں داخل کیا تھا۔ یہی وہ باشعور ضمیر ہیں جنہوں نے دوسو برس تک تلوار و تفنگ کے ذریعہ بلا کسی قانونی حق کے برصغیر ہند پر حکومت کی تھی، مشرق وسطے میں پھانسیوں کے تختے لٹکائے تھے، ہیروشیما کو جہنم زار بنایا تھا، جن کے کارخانوں میں آج بھی دنیا کے سب سے مہلک ہتھیار بے شمار بن رہے ہیں، اور ان سب کوششوں کا نام قیام امن ہی کی کوششیں رکھا جا رہا ہے۔ لیکن ہلاکت و بربادی، خونخواری و ستم کیشی اور ظلم و ستم صرف اسلام کا فریضہ جہاد ہی ہے؟

بہر حال حق پسند لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلامی تاریخ کا سب سے پہلا منظم جنگی اور اخلاقی قانون ہے اور آج بیسویں صدی میں ماڈرن قومیں ایک طرف فوجی تربیت ہر شخص پر لازمی قرار دے رہی ہیں اور دوسری طرف جنگ کسی قدر اخلاقی بنانے کے لیے روئز وغیرہ بنا رہی ہیں مگر آج تک اس کے عشر عشر کو نہیں پہنچ سکے جو اسلام

تیرہ سو سال قبل اپنائے تھے۔

بات یہ عرض کرنی چاہتا ہوں کہ دراصل امت اسلامیہ ایک امت ہے لیکن حالات کے پیش نظر متعدد اسلامی ملک ہیں۔ اگر قیادت امین ہاتھوں میں ہو تو اس تعہد کے باوجود بھی متحدہ قانون بنایا جا سکتا ہے اور اسلامی ملکوں سے تعلقات اور روابط اسلامی بنیادوں پر مخلصانہ، دوستانہ اور برادرانہ قائم کرنے پر زور دیتا چاہیے۔

دوسری دشمن حکومتیں ہیں جو اسلام کے مخالف ہیں اور علی طور پر مسلمانوں کے خلاف اقدام کرتی ہیں۔ تیسری وہ غیر مسلم حکومتیں ہیں جن سے ہمارے معاہدے ہیں، وہ ہمارا احترام کرتی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ظلم و ستم اور تعصب سے پیش نہیں آتیں اور دوستی کا احترام کرتی ہیں، ہم بھی ان سے عہد و پیمان کا احترام کرتے ہیں اور ان سے بلاوجہ دشمنی نہیں کرتے کہ اسلام انسانی احترام کا قائل ہے اور عہد شکنی کی مذمت کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں کام کرنے والے سکالر، علماء اور مفکرین تفصیلی طور پر اسلامی حکومتوں کے زمانہ میں غیر مسلم حکومتوں سے تعلقات، معاہدات اور ہدایا وغیرہ کے تفصیلی مباحث، نظائر اور کئی اہم گوشے آجا کر کر سکتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے اصولوں پر بھی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ جدید انداز کا یہ لٹریچر جب تیار ہو اور تحقیقی و مطالعاتی ذوق رکھنے والے اور رکھے پڑھے احباب کے لیے اس سے استفادہ کے مواقع فراہم کر دیئے جائیں تو پھر اگر کسی کی دینی تعلیم زیادہ نہ ہو، انہوں نے یونیورسٹیوں میں کیوں نہ ڈگریاں حاصل کی ہوں، آپ کی علمی کاوش اور فکری تربیت کے نتیجے میں ان کے قلب و نظر اسلام کی حقیقت سے باخبر رہیں گے، وہ دین اور علم دین اور فکری اعتبار سے دل کے بادشاہ رہیں گے اور دیا ر غیر میں رہنے اور وہاں پڑھنے کے باوجود اپنے سرمایہ حیات پر نازاں، اسلامی میراث اور فقہ اسلامی کی قدر و منزلت پر فریفتہ رہیں گے۔

شریعت میں حدود اور نئے قوانین میں ان کی تطبیق

موجودہ دور کا سب سے اہم اور معرکہ الاراء مسئلہ ”اسلامی شریعت میں حدود اور نئے قوانین میں ان کی تطبیق“ ہے۔ یہ حقیقت حال تمام اہل فکر و نظر کے سامنے واضح ہے کہ آج کے عصر حاضر میں جہاں مغربی سوسائٹیوں کا معیار، اخلاقی انحطاط و زوال کی آخری ڈگری پر پہنچ چکا ہے اور قتل و غارت گری، چوری، ڈاکہ زنی، زنا، رازہ زنی، حرام کاری اور جرائم خوری وغیرہ جیسے عیوب عام ہو چکے ہیں اور ان کے روکنے کی ساری تدبیریں بے سود ہوتی جا رہی ہیں۔ جیلوں، عدالتوں، ججوں اور وکیلوں کی ہر جگہ بہتات ہے، بھر بھی انصاف اور عدالت کے خواہاں مضطرب اور بے چین ہیں۔ اس پریشان اور مضطرب ماحول میں ہوتا تو یہ چاہیے تھا کہ اس اخلاقی انحطاط کے خلاف کوئی موثر اقدام

کیا جاتا، لیکن اس کے برخلاف مجرموں کے ساتھ نت نئے ناموں اور بہانوں سے رحم و کرم کا جذبہ ابھر رہا ہے اور ان کے زیر سایہ اسلامی حدود پر وحشیانہ، بددیوانہ، ظالمانہ اور عصر حاضر کے ذوق کے خلاف ہونے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ تاریخ اور تجربہ کی مسلم اثبوت شہادت ہے کہ سوسائٹی کو سکون سے آشنا کرنے کے لیے جتنے بھی قوانین آج تک پردہ ہستی پر بنائے جاسکے ہیں ان میں اسلام کا نظام تربیت و اخلاق اور اس کے بعد نظام حدود سب سے زیادہ مؤثر اور کارگر ثابت ہوا ہے۔

کیونکہ اسلام پہلے تو اپنی تعلیمات کے ذریعہ خدا پرستی، معرفت نفس، اخوت، ہمدردی اور طہارت و عفت کے عالی جذبات پیدا کرتا ہے، لیکن اگر چند بے راہ روشیطان نفس کی اتباع کرتا چاہتے ہیں اور سوسائٹی میں فواحش پھیلانا چاہتے ہیں تو اسلام ان کو سخت سزا دے کر سوسائٹی کو پاک و صاف بنانا چاہتا ہے۔ اور اسلامی حدود ایسی نہیں ہیں کہ اگر نافرمان ہو جائیں تو عوام پریشان ہو جائیں بلکہ اس کے برعکس سب سکون و چین کی نیند سو جائیں۔ چوری، ڈاکہ، قتل، بے آبروی اور حرام کاری کا ہر داغ مٹ جائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو لوگ ان اعمال کے گرویدہ اور دلدادہ ہیں انہیں اس سے بہت نقصان ہوگا اور وہ اس کے خلاف ہمیشہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے، پھر حدود کو نافذ کرنے میں جس احتیاط، گواہی کے شروط اور سخت اصولوں کو سامنے رکھنا پڑتا ہے اور چھوٹے چھوٹے ٹنک و شبہ سے حدود ختم ہو جاتی ہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ اسلام نے ایک طرف انصاف و عدالت کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور دوسری طرف علاج دوا اور پرہیز کے بعد حدود کو قائم کیا ہے۔

اسلام نے شادی کے معاملہ میں آسانیاں مہیا کیں، پھر ناجاتی کی صورت میں طلاق میں رکاوٹیں نہیں ڈالی گئیں، ایمان و اخلاق اور تقویٰ کا درس دیا گیا۔ اس کے باوجود بھی حرام کاری کرنے والے کو سزا دی جائے گی لیکن گواہی کی ایسی سخت شرطیں رکھی گئی ہیں کہ تاریخ اسلام میں آج تک زنا کے سلسلے میں کوئی سزا گواہی کے ذریعے نہیں ہوئی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس فعل فبیح کی مذمت ظاہر کرنے کے لیے اور سوسائٹی میں فواحش پھیلنے کو روکنے کے لیے قانون میں یہ لم رکھی گئی ہے جس کا مشاہدہ یورپ و امریکہ کے کلیوں، پارکوں، سڑکوں اور رفاہ عام کی جگہوں پر ہوتا رہتا ہے۔ چوری چھپے، سہمتے، ڈرتے گھر کی چار دیواری میں گناہ سمجھتے ہوئے بد فعلی کا صدور ہر اُس جگہ جہاں انسان رہتے ہیں ممکن ہے لیکن علانیہ، قانون کے ذریعہ، لوگوں کی نظروں کے سامنے ثواب سمجھ کر ہر قسم کی فطری اور غیر فطری بد کرداریوں کے جواز کا فتویٰ تو غلط و نجاست کے عروج کے زمانہ میں ومن ایہا کے منچلے تک نہ دے سکے تھے جسے آج قانونی سند مغربی تہذیب کے دیوانوں نے دے رکھی ہے۔

اس سلسلہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ مثال کے طور پر چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ چوری کی وجہ سے اکثر اوقات گھرانوں کا سکون مٹ جاتا ہے، برسوں کی پونجی لٹ جاتی ہے اور نوبت چور کی طرف سے قتل تک آ جاتی ہے اور

سوسائٹی میں کسی طرح چوری ختم نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف جب اسلامی حدود نافذ تھیں تو شاؤنا در ہی چوری ہوتی تھی اور آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ کم چوری کی شرح سعودی عرب میں ہے۔ حیرت نہیں تو اور کیا ہے — کہ وحشی، لیبرے اور چوری کی عادی قوم — آج سے پچاس سال قبل کے احوال جاننے والے اس حقیقت سے باخبر ہیں — کس طرح ایماندار اور چوری سے باز رہنے والی قوم بن گئی — کوئی صاحب اسکی یہ تاویل اور توجیہ نہ کرے کہ مال و زر کے انبار انہیں مل گئے کیونکہ امریکہ یقیناً سعودی عرب سے زیادہ مالدار، زیادہ تعلیم یافتہ اور عصر حاضر کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے وہاں چوری اور دوسرے سنگین جرائم کی شرح سب سے زیادہ ہے اور اس کے حساب کے لیے اب منٹ تک ناکافی ہو کر نو بت سیکنڈوں تک آگئی ہے — اس کے مقابلہ میں ابن سعود کی پوری مدت حکومت ۲۴ سال میں صرف ۶ چوری کی وارداتیں ہوئی تھیں جبکہ ابن سعود کا شروع زمانہ فقر و مصائب اور مشکلات کا زمانہ تھا۔ یہ بجائے خود اس اعتراض کا جواب بھی ہے کہ اگر اسلامی قانون نافذ کر دیا جائے تو سوسائٹی میں ہر طرف ٹنڈے ہی ٹنڈے نظر آئیں گے۔ یہ اعتراض بالکل قابل اعتبار نہیں کیونکہ اس طرح تو پھر ہر اچھی چیز چھوڑنی پڑے گی۔ موٹروں کو لیکسیڈنٹ کے خطرے اور سوسائٹی کو اپاہج پیدا کرنے کے الزام میں چھوڑنا پڑے گا۔ ہوائی جہاز، فیکٹریاں اور تعمیر و ترقی کے سارے پلان بند کرنے پڑیں گے کیونکہ عمومی فائدہ کی ہر چیز میں کسی نہ کسی فرد کے لیے نقصان کا پہلو نکل سکتا ہے۔

ہم یہاں قدیم و جدید قوموں کے قوانین پر ناقدانہ گفتگو نہیں کرنا چاہتے بلکہ صرف عصر حاضر کے ترقی پسند، آزاد، بہذب ذہن اور زندہ ضمیر سے جو حدود کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، اتنی گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کرے کہ قاتل کو قتل کیا جائے، چور کا ہاتھ کاٹا جائے اور اسلامی قصاص و حدود کو وہ قبول کرے جس طرح عالمی ضمیر نے ویٹ نام میں انسانی ہلاکت کا سامان بہم پہنچایا اور سرخ انقلاب میں پچاس لاکھ انسانوں کو آزادی اور مساوات کے نام پر خاک و خون میں تڑپایا۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی اجازت دی، چور کی سزا قتل تک تجویز کی، سامراجی زمانے میں پھانسی کے تختے لٹکائے، پھر انسانی چربی سے صابون بنائے گئے، انسانی کھال جوتوں میں استعمال کی گئی، آتشیں بموں نے جسموں کو خاکستر بنایا، پستول کی گولیاں چوروں اور ڈاکوؤں کے ذریعہ ہر پر امن شہر کے سینہ کو داغدار کرنے کا ارمان رکھتی ہیں اور آبر و باخشی اور جنسی اتار کی کے مریض ہر عفت مآب گھر کے کسکون دل لوٹنے کیلئے بے قرار نظر آتے ہیں۔ ایسے پاکباز، طاہر و نظیف اور بیدار مشرقی و مغربی عالمی ضمیر پر ذرا سی کوشش بھی اگر کی جائے تو شاید مجرم کو سزا دینے پر وہ راضی ہو ہی جائے اور اسلام کی منظم حدود اسے اپنے غیر قانونی کردار اور جنگل کے دستور کے مقابلہ میں زیادہ منصفانہ اور ہلکی نظر آئیں۔



داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

عالم عربی، اہل مغرب کی آماجگاہ کیوں؟

عالم عربی، دنیائے انسانیت کا دھڑکتا ہوا دل ہے جو اب بدقسمتی سے اہل مغرب کے نظروں کا مرکز، اُن کے خواہشات کے آماجگاہ اور قیادت ویڈرشپ کیلئے مقابلہ کا میدان بنا دیا گیا ہے۔ موجودہ حالات میں اس کے حفاظت، امن و استحکام تمام عالم اسلام کا بنیادی فریضہ ہے داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ عالم عربی کے معروضی حالات کا جائزہ پیش فرماتے ہیں۔ اگر عرب سمجھلے جائیں تو تمام عالم کے قیادت اور دنیائے انسانیت کے باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں ہو گے۔ (عبد القیوم حقانی)

عالم عربی کے اہمیت | دنیا کے سیاسی نقشہ میں عالم عربی بہت اہمیت رکھتا ہے، وہ ان قوموں کا گہوارہ ہے جنہوں نے انسانی تاریخ میں سب سے اہم پارٹ ادا کیا۔ اس کے سینہ میں دولت و طاقت کے عظیم اشان خزانے محفوظ ہیں، اس کے پاس پٹرول ہے جو آج جنگی اور صنعتی جسم کے لیے خون کا درجہ رکھتا ہے اور یورپ و امریکہ اور مشرق بعید کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

وہ عالم اسلام کا دھڑکتا ہوا دل ہے جس کی طرف روحانی اور دینی طور پر پورے عالم اسلامی کا رخ ہے جو ہر وقت اس کا دم بھرتا ہے اور اس کی محبت و وفاداری میں سرشار رہتا ہے۔

اس کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کا امکان ہے کہ خدا خواستہ اس کو تیسری عالمی جنگ کا میدان بننا پڑے۔ وہاں طاقتور بازو ہیں، سوچنے سمجھنے والی عقلیں ہیں اور جنگجو جسم ہیں، وہاں بڑی بڑی تجارتی منڈیاں ہیں اور قابل کاشت زمینیں ہیں۔

مہرو ہیں واقع ہے جو اپنی پیداوار، آمدنی، زرغیزی و شادابی، دولت و ترقی، تہذیب و تمدن میں خاص درجہ رکھتا ہے، جس کی گود میں دریا ئے نیل رواں دواں ہے۔ یہاں فلسطین ہے اور اس کے ہمسایہ ممالک ہیں جو اپنی آب و ہوا کی لطافت و حسن و خوبصورتی اور فوجی اہمیت میں ممتاز ہیں۔